E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 02. Masnavi, Marsiya Aur Nazm

Module Name/Title : Marsiya Ke Ajza e Tarkeebi

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Dr. Nikhat Jahan
PRESENTATION	Dr. Nikhat Jahan
PRODUCER	Rafiq Ur Rahman

IMC MANUU

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی : 9 مرثیہ کا فن، ادبی اور تہذیبی اہمیت، مقبولیت کے اسباب

ساخت

9.1 تمہید
9.2 مرثیہ کا فن
9.2.1 مرثیے کے اجزائے ترکیبی
9.2.2 چہرہ
9.2.3 سراپا
9.2.4 رخصت
9.2.5 آمد
9.2.6 رجز
9.2.7 رزم
9.2.8 شہادت
9.2.9 بین
9.3 مرثیے کی ادبی اہمیت
9.4 تہذیبی اہمیت
9.4.1 مرثیوں میں رشتوں کی تہذیبی اہمیت
9.5 جمالیاتی اقدار
9.6 اعلیٰ اخلاقی اقدار
9.7 پیکر تراشی
9.8 خلاصہ
9.9 نمونہ امتحانی سوالات
9.10 فرہنگ
9.11 سفارش کردہ کتابیں

9.1 تمہید

مرثیہ کی تہذیبی اور تمدنی اہمیت کے علاوہ اس کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مرثیہ کی مقبولیت کا راز جہاں مذہب سے وابستگی ہے وہیں تہذیبی اخلاقی اور ادبی محاسن میں بھی مضمر ہے۔ اس کی مقبولیت کے کئی اسباب ہیں جن میں سے زیادہ موثر اور مقبول عام سبب مرثیہ کی جذباتی اور مذہبی نوعیت ہے۔ مرثیہ گویوں، خصوصاً انیس و دبیر نے اپنی بے پناہ تخلیقی قوت سے مرثیہ کو اعلیٰ و عظیم شاعری کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ جس کی مثال عالمی ادب میں بھی نہیں مل سکتی۔ ان ہی مرثیہ نگاروں نے انسانی رشتوں، جذبات و احساسات کی آفاقیت، جمالی اقدار اور شعر کے جملہ محاسن کو پیش نظر رکھا، جس کی وجہ سے ادبی ذوق کی بھی تسکین ہوتی ہے۔

9.2 مرثیہ کا فن

مسدس، مرثیے کی انتہائی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ابتدا میں مرثیہ دو بیتی، مثلث، مربع اور مخمس میں بھی لکھا گیا۔ سودا نے مرثیہ کو مسدس کی شکل میں روشناس کروایا۔ سودا سے قبل بھی مسدس کے فارم میں مرثیے لکھے گئے۔ میر تقی میر، سکندر پنجابی، احمد اور حیدر دکھنی نے کچھ مرثیے مسدس ہی میں لکھے تھے۔ سودا کے بعد بھی مرثیے کے لیے دیگر ہیئتیں استعمال کی گئیں۔ مثلاً غالب نے عارف کے مرثیے میں غزل کا فارم اختیار کیا۔ حالی نے غالب کا مرثیہ لکھا تو ترکیب بند میں اور اقبال نے والدہ کا مرثیہ مثنوی کی شکل میں لکھا۔ محمد علی جوہر، سیماب اکبر آبادی اور حفیظ جالندھری نے مرثیے کے لیے غزل، قطعات اور مخمس کی ہیئتیں اختیار کیں۔ ان مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرثیے کے لیے کوئی ہیئت مخصوص نہیں، لیکن انیس اور دبیر کے مرثیوں کی مقبولیت کی وجہ سے مسدس کے فارم کو مرثیہ سے مخصوص سمجھا جانے لگا ہے۔

9.2.1 مرثیے کے اجزائے ترکیبی

مرثیہ چونکہ واقعات کربلا پر مبنی ہے اس لیے اس میں واقعات کربلا کی تفصیل بیان ہوتی ہے۔ مثلاً جاں نثارانِ حسینؑ اور خانوادہ حسینؑ کی سیرت و شخصیت، کردار، جذبات، احساسات، اعزہ سے رخصتی، میدانِ کارزار میں ان بے سروساماں فدائیانِ حسینؑ کی آمد، آلاتِ حرب، جنگ کا منظر، گھوڑوں کی تیزی، تلواروں و نیزوں کی چمک دمک، فرات کے کناروں پر یزیدیوں کے پہرے، پیاسوں کی شہادت اور پھر ان کی زخم خوردہ لاشوں پر بین و بکا وغیرہ۔ ان واقعات و بیانات میں ایک منطقی ربط و تسلسل قائم رکھنے کی خاطر مرثیے کے لیے آٹھ اجزائے ترکیبی وضع کیے گئے:

(1)	چہرہ	(2)	سراپا	(3)	رخصت	(4)	آمد
(5)	رجز	(6)	رزم	(7)	شہادت	(8)	بین

مرثیے میں اجزائے ترکیبی کا یہ تعین استادِ دبیر میر ضمیر نے کیا۔ لیکن اس کی پابندی پوری طرح نہیں ہوسکی۔ خود ضمیر اور بعد میں انیس و دبیر کے یہاں بھی اس کی پابندی نہیں ہوسکی۔ مثلاً مرزا سلامت علی دبیر کا ایک مشہور مرثیہ ہے ''کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے''۔ یہ مرثیہ 'آمد' سے شروع ہوتا ہے۔

9.2.2 چہرہ

مرثیے میں چہرہ 'قصیدہ کی تشبیب کی طرح ہوتا ہے جس میں شاعر حمد، نعت، منقبت حضرت علیؑ و امام حسینؑ کے علاوہ مکہ سے سفر، سفر کے پُرخطر حالات، گرمی کا موسم، صبح کا موسم بیان کرتا یا پھر اپنی شاعرانہ عظمت، قادر الکلامی، ثنا خوان حسین ہونے پر فخر کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی پیاس کی کیفیت بھی بیان کرتا ہے۔ عموماً موسم کے بیان میں گرمی کی شدت، صبح کا منظر، چڑیوں کی چہچہاہٹ، شبنم کا پھولوں پر گہر آبدار بن کر چمکنا وغیرہ قسم کے مناظر تشبیہ و استعارے اور صنائع بدائع کی زرتابی کے ساتھ قلم بند کرتے ہیں۔ انیس کے ایک مشہور مرثیے میں صبح کا منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار　　　پھولوں پہ جا بہ جا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار　　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

9.2.3 سراپا

عموماً یہ ایک طرح سے انصار حسینی کا تعارف ہوتا ہے۔ کبھی کبھی لشکر یزید کے ساتھیوں کا بھی سراپا لکھا گیا ہے۔ سراپا لکھنے میں شاعر اپنا زور قلم صرف کردیتا ہے' جس سے شاعر کی اپنی محبت وعقیدت کا بھرپور اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف باطل یعنی یزیدیوں سے تنفر کا احساس ہوتا ہے۔ سراپا بیان کرتے وقت تشبیہات و استعارات سے مدد لی جاتی ہے۔ صنائع بدائع کے خزانے لٹا دیے جاتے ہیں۔ دبیر نے ایک مرثیے میں بالکلیہ ہی علاحدہ انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ تشبیہہ کہاں سے لاوں جو حسنِ حسینی کی تابش کو سہار سکے۔ کہتے ہیں کہ رُخ کو آئینہ کہوں تو سمجھو کہ میں نے کچھ بھی ثنا نہیں کی' آنکھ کو نرگس کہوں تو ان آنکھوں کے لیے کسر شان ہے کیونکہ نرگس میں نہ پلکیں ہیں نہ پتلی نہ بصارت۔

آئینہ کہا رُخ کو تو' کچھ بھی نہ ثنا کی　　　صنعت وہ سکندر کی' یہ صنعت ہے خدا کی
گر آنکھ کو نرگس کہوں' ہے عین حقارت　　　نرگس میں نہ پلکیں ہیں' نہ پتلی' نہ بصارت

9.2.4 رُخصت

میدان جنگ میں جانے کے لیے خیمۂ حسین سے ایک بعد دیگرے جانباز' سر پر کفن باندھ کر نکلتے ہیں تو خیمے میں مکیں' متعلقین اور مستورات انہیں بہ دلِ بریاں' بہ چشمِ گریاں' بہ لبِ لرزاں مگر بھرپور قوت ایمانی کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ اہلِ خیمہ کو یقین ہے کہ یہ اب زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ اس موقع پر وداع کرنے والے عزیزوں اور پیاروں کے جذباتِ محبت اور قوتِ ایمانی کے جو مرقعے مرثیوں میں کھینچے گئے ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔

9.2.5 آمد

میدان جنگ میں آمد کا منظر زیادہ طویل نہیں ہوتا۔ یہ بند رخصت اور رجز سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی آمد کے موقع پر گھوڑے کی تعریف بھی کی جاتی ہے۔

9.2.6 رَجز

عربوں میں رواج تھا کہ دو حریف جب میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوتے تو جنگ شروع ہونے سے قبل ایک دوسرے کو للکارتے' اپنی اور اپنے آبا و اجداد کی شجاعت' طاقت اور خاندانی عظمت' دین داری وقوت ایمانی وغیرہ کا ذکر کرتے تھے' جس میں جوش' غضب اور ولولہ ہوتا تھا۔ اس اظہار کو جو فصاحت و بلاغت کا مرقع ہوتا ہے اصطلاحاً ''رجز'' کہتے ہیں۔ سبھی مرثیہ نگاروں نے اس حصے میں بلاغت و فصاحت کے دریا بہادیے ہیں۔ انیس کے ایک مرثیے سے رجز کا ایک بند ملاحظہ ہو۔ یہ رجز حضرت امام حسینؑ کی زبانی ہے۔

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں　　　آئے غضب خدا کا اُدھر' رخ جدھر کروں
بے جبرئیل کار قضا و قدر کروں　　　اُنگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں

طاقت اگر دکھاؤں' رسالت مآبؐ کی
رکھ دوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

9.2.7 رزم

یہ مرثیے کا نہایت ہی اہم حصہ ہوتا ہے جس میں شاعر میدان جنگ کی تیاری' فوجوں کے ساز و سامان' گھوڑوں کی تعریف' ان کا غیض وغضب' براق کی سی تیز رفتاری' تلواروں کی چمک' نیزوں کی کڑک' سپاہیوں کی پھرتی' بے جگری سے لڑائی' جاں توڑ مقابلہ وغیرہ' ان تمام حالتوں اور کیفیتوں کو بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے' جس سے اُس کی بلندیٔ خیال اور قوتِ اظہار کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے جن میں میدان جنگ کی تصویر ہو بہو سامنے آجاتی ہے۔

نیزے ہلے' وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں ہر طعن قہر کی تھی' قیامت کی ہر تکاں
چنگاریاں' اڑیں جو سناں سے لڑیں سناں دو اژدہے گتھے تھے' نکالے ہوئے زباں
پھیلے شرر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

9.2.8 شہادت

مرثیوں میں یہ حصہ بھی بڑا جاندار ہوتا ہے کیوں کہ اسی بیان پر بین کی شدت کا انحصار ہوتا ہے۔ اس حصے میں فوج حسینی کے شہید کی میدان میں جراءت' بہادری اور فن سپاہ گری کے کمالات بیان کرتے ہوئے زخموں سے چور چور نڈھال ہو کر گر جانے اور شہادت پانے کا ذکر آتا ہے۔ یہ مرثیہ کا بڑا دلدوز حصہ ہوتا ہے۔ حضرت علی اکبر کی شہادت پر امام حسینؑ کا حال زار اور کیفیت انیس اس طرح بیان کرتے ہیں:

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پسر
ہچکی جو آئی' تھام لیا ہاتھ سے جگر انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

9.2.9 بین

مرثیہ کا آخری جزو بین ہوتا ہے' جس میں مجاہد کی شہادت اور لاش کو خیمے میں لانے' خواتین کے رنج و الم اور بین و بکا کے جذبات کی عکاسی کی جاتی ہے۔ یہی دراصل مرثیے کا مقصد و منشا ہوتا ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ اس حصے کو اتنا پُر اثر اور جاندار بنادے کہ مجلس برپا ہو جائے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. مرثیے کے اجزائے ترکیبک تنے ہیں؟
2. رجز سے کیا مراد ہے؟
3. چہرہ قصیدہ کے کس جز کی طرح ہے۔؟

9.3 مرثیے کی ادبی اہمیت

کہنے کو مرثیہ شہدائے کربلا اور واقعات کربلا کے حالات بیان کرنے لکھا جاتا ہے' لیکن مرثیہ گو کی شانِ تخلیق اور قوت اظہار سے مرثیہ یے ادبی شہکار بن جاتا ہے۔ اس ادبی شہکار میں وحدت میں کثرت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ اس میں قصیدے کی شان وشکوہ' جلالت و باغت ہوتی ہے۔ مثنوی کی سادگی و سلاست اور قصہ پن' منظر نگاری' جذبات نگاری' واقعہ نگاری' کردار نگاری' سراپا نگاری' مکالمہ نگاری' نکات کے جاندار وسیع و ہمہ گیر مرقعے نظر آتے ہیں۔ کردار نگاری میں عموماً انیس نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ مکالمے کردار سے مطابقت

رکھتے ہوں۔ صغریٰ، سکینہ، عون ومحمد بچے ہیں تو وہ بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت عباس غصہ ور جوان ہیں تو وہ جوشیلی گفتگو کرتے ہیں، عورتیں اپنے لب و لہجے روز مرہ ومحاوروں کا استعمال کرتی ہیں۔ مرثیوں سے تشبیہ و استعارے کے خزانے میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔ زندگی میں بعض مواقع آتے ہیں کہ آدمی کی قوت گویائی ساتھ نہیں دیتی۔ مرثیہ گویوں نے ایسے نازک موقعوں پر الفاظ کے موتی لٹا دیے ہیں۔ حسن تعلیل کی ایک خوبصورت مثال دیکھیے:

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

صنعت غیر منقوط کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے:

حُر حملہ ور ہوا کہ اسد حملہ ور ہوا — وہ حملہ ور اِدھر اُدھر اسلام ور ہوا
سرگرم معرکہ سرا اعدا اگر ہوا — وہ گل کھلا کہ لالۂ کہسار سر ہوا

اہل حسد کو درس اِدھر آہ آہ کا
حورو ملک کو درد اُدھر واہ واہ کا

اپنی معلومات کی جانچ:

1. مرثیہ ادبی شہکار کس طرح بنتا ہے؟
2. صنعت غیر منقوط سے کیا مراد ہے؟ ایک چھوٹا سا غیر منقوط جملہ لکھیے۔

9.4 تہذیبی اہمیت

آج بھی لکھنؤ دبستان کا ذکر آتا ہے تو وہاں کے عیش وعشرت، طوائف بازی، مرغ بازی، کبوتر بازی، کھیل کود میلے ٹھیلوں کا تذکرہ اس طرح آتا ہے جیسے لکھنؤ میں اور کچھ نہیں تھا سوائے بازار عیش کے۔ اسی اعتبار سے لکھنؤ کے شعری سرمایہ کو خارجیت سے مملو ہونے کا بہتان تراشا گیا ہے۔ پاکیزگی، دردمندی، دل سوزی جیسے وہاں کی شاعری میں عنقا ہو۔ لکھنؤ کا مذہبی ماحول مجلس عزا کی کثرت اور اس کے ساتھ عوام وخواص کی قدردانی بھی لکھنؤ کی تہذیب میں شامل ہے۔ مرثیہ نگاروں نے لکھنوی تہذیب کی بہترین عکاسی کی ہے۔ وہاں آداب، اخلاق، رہن سہن، طور طریق خواتین کے لباس، ان کی زبان، زیورات، لباس وغیرہ کی دلنشیں اور دلچسپ تصویریں پیش کردی ہیں، مثال کے طور پر دبیر کے مرثیے سے ایک بند پیش ہے جس میں بی بی کی سواری کا منظر کھینچا گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کیسی پوشاک تھی، کیسے زیور تھے اور کیسی سواری تھی۔

مری بی بی کی امیرانہ سواری ہوگی — ناقے پر عرش کے مانند عماری ہوگی
مسند نور پہ کسریٰ کی وہ پیاری ہوگی — گہنا سب تحفہ تو پوشاک بھی بھاری ہوگی

بیرقیں نور کی ہاتھوں میں کشادہ ہوں گی
فوجیں حوروں کی سواری میں پیادہ ہوں گی

تصویر کی اسی لطافت نے عملی صورت بھی اختیار کرلی۔ استقبال کسی عظیم ہستی کا کس طرح ہوتا ہے دیکھیے:

مسند آراستہ کی سبط پیمبر کے لیے — کشتیاں لا کے رکھیں عزت حیدر کے لیے
جھولا دالان میں ڈالا علی اصغر کے لیے — لا کے گلدستے برابر رکھے اکبر کے لیے

جام شربت کے بھرے ابن حسن کی خاطر
گہنا پھولوں کا منگا رکھا دلھن کی خاطر

اسی طرح اُس زمانے میں استعمال ہونے والے ساز/باجے 'نوبت' نقارے' طبل' بوق' کوس' دف' قرنا' جلاجل وغیرہ کا ذکر آتا ہے جن میں سے آج کے نام بھی ہم نہیں جانتے مثلاً

قرنا میں نہ دم ہے نہ جلا جل میں صدا ہے | بوق و دہل و کوس کی بھی سانس ہوا ہے
ہر دل کے دھڑکنے کا مگر شور بپا ہے | باجا جو سلامی کا اسے کہیے بجا ہے

سکتے میں جو آواز ہے نقارہ و دف کی
نوبت ہے درود خلف شاہ نجف کی

ان اشعار کے مطالعے سے اوزار و ہتھیار' آداب جنگ' فنون حرب سے ہم اچھی طرح متعارف ہوتے ہیں۔

ان سب سے بڑھ کر مرثیوں میں رشتوں کی پاسداری کا احساس ہوتا ہے جس کی ہر زمانے میں بڑی اہمیت رہی ہے

9.4.1 مرثیوں میں رشتوں کی تہذیبی اہمیت

مرثیہ انسانی رشتوں کی شاعری ہے۔ جب انسانی رشتے وجود میں آتے ہیں تو وہ کسی سماج' یا سوسائٹی کی ہیئت اجتماعی کا پتہ دیتے ہیں اور کسی بھی سماج میں جتنے زیادہ رشتے ہوں گے' ان رشتوں کے درمیان حفظ مراتب کا جتنا تصور رہے گا اتنا ہی وہ سماج مہذب اور ترقی یافتہ کہلائے گا۔ اس کی وضاحت کے لیے یہ پہلو قابل غور ہے کہ مغرب میں اتنے رشتے نہیں ہوتے جتنے رشتے مشرق میں ہوتے ہیں۔ مغرب میں خاندان کا تصور محدود ہے ان کے پاس رشتوں کے لیے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ ایک لفظ انکل' چچا' ماموں' پھوپھا' خالو سب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں ہر رشتہ کا بیان بھی ہے اس کی الگ معنویت بھی ہے اور رشتے کے اعتبار سے اس کا مرتبہ اور اس کی قدر کا تعین بھی ہے۔

شعر و ادب میں صرف ایک رشتہ جو یقیناً بہت اہم ہے بار بار آتا ہے یا مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور وہ رشتہ عورت اور مرد کے درمیان جذبات کی بنیادوں پر مادی خواہشات کا رشتہ ہوتا ہے۔ یہ رشتہ عشق ہے' عاشقی ہے' محبوب ہے' محبوبہ ہے لیکن اس سے قطع نظر دوسرے رشتے مشکل سے نظر آتے ہیں۔ عالمی ادب کے شاہکاروں میں بھی فردوسی اپنے شاہنامہ میں شجاعت و بہادری کے قصے بیان کرکے' صرف باپ بیٹے کے رشتے تک محدود رہ گیا۔ یہ فخر و امتیاز ہندوستان کی دو عظیم رزمیہ شاعری کے شاہکاروں ''رامائن'' اور ''مہابھارت'' کو حاصل ہوا۔ بھائی کی بھائی سے محبت (رام' لکشمن' بھرت) (یدوشٹر' ارجن' بھیم) پھر ماں کی اطاعت' باپ کی اطاعت' سوتیلی ماں کے جذبات اور لڑکے کی فرمانبرداری کے واقعات ملتے ہیں۔

ان دونوں عظیم کارناموں میں بھی ہرسن و سال کے افراد نہیں ملتے۔ ان میں بچے نہیں ہیں' کوئی چھوٹی لڑکی نہیں ہے۔ اور اسی کے ساتھ بہت سارے رشتے جیسے پھوپھی' چچی' ان کا کوئی تصور ان عظیم کارناموں میں بھی نہیں ملتا۔ دوستی اور دوستی کی بنیاد پر رشتے کی استواری کا کوئی تصور تفصیل سے اور واقعات کی نزاکت کے ساتھ کم ملتا ہے۔ یہ درست ہے کہ کچھ کردار ہیں لیکن یہ اپنے رشتوں کی تمام تر عظمتوں عقیدتوں اور وابستگیوں کو سامنے نہیں لاتے۔

اردو مرثیوں میں یہ تمام رشتے موجود ہیں۔ ایک خاندان ہے جس میں بیمار بیٹی سے بچھڑنے کی کیفیت بھی ملتی ہے۔ تقاضائے بشریت کے مطابق اس کا ساتھ چلنے پر اصرار بھی اس طرح نظر آتا ہے کہ

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو | بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

رشتوں کی نزاکت اور سن و سال کے اعتبار سے ان کا رابطہ' وابستگی' تعلق خاطر اور ان کی باہمی محبتیں' ان کا انفرادی تشخص' انیس ہی کے مرثیہ ''جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ رشتوں میں نازک مرحلہ اس وقت آتا ہے جب دو چاہنے والے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں تصادم بھی نہ ہو اور مراتب کا لحاظ بھی ہو۔ اس لیے کہ عام طور پر لوگ یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ اس میں تصادم کیسے

نہیں ہوگا۔لیکن مرثیوں کی دنیا کچھ اور کہتی ہے ۔حضرت علی اکبر کو ان کی پھوپھی نے پالا ہے اور پالنے والی کا مرتبہ ماں کے برابر ہوتا ہے ۔ دوسری طرف ان کی والدہ گرامی کا حق ہے! لیکن پھوپھی اور ماں دونوں کے رشتوں کا توازن برقرار رکھا گیا ہے ۔

ایک موقع اور ہے۔ ماں کم عمری میں بچوں کی نفسیات سے باخبر ہے ۔ بچے جوش'ولولہ'حوصلہ اور عزم رکھتے ہیں وہ خاندانی شرف اور امتیاز کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی شجاعت و بہادری کے اعتراف میں انہیں اپنے نانا اور دادا کا منصب ملے ۔

لیکن بہادر ماں انہیں دل شکستہ بھی نہیں ہونے دینا چاہتی اور ساتھ ہی ساتھ بچوں کو سمجھاتی بھی ہے ۔ بھائی کے استحقاق کا خیال بھی ہے۔ موقع وہ ہے کہ حضرت عباس کو منصب علمداری عطا ہو چکا ہے اور حضرت عون و محمد کو اس کا ملال ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ انہیں علم ملنا چاہیے ۔صرف ایک بند درج کیا جاتا ہے :

عمریں قلیل اور ہوسِ منصب جلیل　　اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل

ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل　　یاں اپنے ہمسوں میں تمہارا نہیں عدیل

لازم ہے سوچے' غور کرے' پیش و پس کرے

جو ہو سکے نا' کیوں بشر اس کی ہوس کرے

یہ جو مثالیں پیش کی گئیں اور جن انسانی رشتوں کا ذکر کیا گیا' وہ سارے رشتے عالمی ادب کی کسی صنف میں ایک جگہ نہیں ملتے۔ اردو میں بھی مرثیہ کے علاوہ رشتوں کی یہ تفصیلات اور کسی صنف میں نہیں ہیں۔اس لیے کہ غزل کا عاشقانہ مزاج 'قصیدہ کی درباداری اور مثنوی کا داستانی رنگ' سماجیات کے اس نازک پہلو کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر مرثیے میں وہ سارے انسانی اقدار موجود ہیں جو کاروانِ تہذیب کو آگے بڑھاتے ہیں ۔کیا مجال کہ مرثیہ نگار کے قلم کو ہلکی سی لغزش بھی ہو جائے ۔مرثیے کی اہمیت اور انفرادیت کے اسباب میں سے یہ بھی ایک سبب ہے کہ مرثیہ نگار اپنے اوپر خوبصورت تہذیبی پابندیاں عائد کرلیتا ہے اور پھر ان کے حصار سے باہر قدم نہیں نکالتا۔

اپنی معلومات کی جانچ :

1. لکھنوی دبستان کی شاعری پر کس طرح کا بہتان لگایا جاتا ہے؟
2. مرثیے میں کون کون سی تہذیبی علامتیں ملتی ہیں؟
3. مرثیوں میں رشتوں کی اہمیت کس طرح سامنے آتی ہے؟
4. قصیدے میں...... پائی جاتی ہے ۔(1) درباداری　(2) داستانوی فضا　(3) بازاری ماحول

9.5　جمالیاتی اقدار

عام طور سے مرثیوں کی مقدس المناک فضا میں اُن جمالیاتی قدروں کی گنجائش نہیں ہوتی جو غزل یا عشقیہ مثنویوں میں دکھائی دیتی ہے۔ لیکن مرثیہ نگاروں نے جناب قاسم اور حضرت کبریٰ کی شادی کے واقعہ کا سہارا لیتے ہوئے اتنی صحت مند بالیدہ اور خوبصورت تصویریں پیش کی ہیں کہ جن سے تزکیہء نفس اور قلب کی منزلیں طے ہوتی نظر آتی ہیں ۔اس سلسلے میں کئی مرثیے ہیں بالخصوص :

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

شہرت رکھتا ہے ۔اپنی بات کی وضاحت کے لیے ایک بند بھی درج کیا جاتا ہے ۔ جناب قاسم میدانِ جنگ میں جانے کے لیے اپنی زوجہ فاطمہ کبریٰ کے پاس رخصت ہونے آتے ہیں ۔فرماتے ہیں :

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھا دو تو رخ کا نور　　　پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور　　　نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور
جینے کی اب خوشی چمن دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

اپنی معلومات کی جانچ:

1. حضرت قاسم اور حضرت کبریٰ کے واقعے سے کس انسانی جذبہ کا احساس ہوتا ہے؟
2. حضرت قاسم کی شادی کے سلسلے میں کون سا مرثیہ شہرت رکھتا ہے؟

9.6 اعلیٰ اخلاقی اقدار

مرثیوں کی دنیا میں ایک خاندان اور وسیع تر سماج کی تشکیل کرنے والے انسانی رشتوں کے ان تصورات سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ ایک تہذیب یافتہ اور مہذب سوسائٹی اس باہمی ارتباط اور رشتوں کی نزاکت کی بنیاد پر جن اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل اور امین ہوتی ہے دراصل وہی اخلاقیات کا روشن ترین باب ہیں۔ ان رشتوں میں جو کردار سامنے آتے ہیں' ان میں جناب حبیب ابن مظاہر' حضرت زہیر ابن قین اور وہ گمنام مسافر جو مرثیے

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا

میں نظر آتا ہے' رشتوں کی اخلاقی فضا کو بلندیاں عطا کرتا ہے۔

مرثیے کی اہمیت اور مقبولیت میں جہاں انسانی رشتہ اہم ترین حیثیت رکھتا ہے وہیں مرثیوں میں اخلاقی مضامین اور بلندیاں اس طرح سامنے آتی ہیں کہ رہتی دنیا تک وہ کسی بھی مہذب سماج کے لیے مشعل راہ ہوسکتی ہیں۔ یہ اخلاقیات ایک طرف تو شاعر کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے مثلاً میر انیس لکھتے ہیں:

نیک و بد عالم میں تامل نہیں کرتے　　　عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخ طرف گل نہیں کرتے　　　تعریفِ خوش الحانی بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

کہیں کہیں براہ راست اخلاقیات کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مرثیے جن کے مطلع یہ ہیں:

ع .... جب خاتمہ بخیر ہوا' فوج شاہ کا
ع .... جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
ع .... جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

دیکھے جاسکتے ہیں۔ خصوصیت سے ایک بند' امام عالی مقام کے رجز سے پیش کیا جاتا ہے:

خوشبو کا اپنی گل نے کیا ہے کبھی بیاں　　　شیریں لبوں میں شکر کبھی ہوتی ہے عیاں
کھلتی ہے آپ مشک کی بو وقت امتحاں　　　کتنا جھکا ہے اتنی بلندی سے آسماں
سایہ بڑا ہے تجھ سے بگولا دراز ہے
البتہ خاکسار جو ہے سرفراز ہے

اخلاقیات کے سلسلے میں اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ انحراف پسندی یا آج کی سیاسی اصطلاح میں "دل بدلو" ہونا یا اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسرے کی جماعت میں شامل ہونا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ مرثیے نے بتایا کہ جب عرفان حق ہو جائے تو باطل سے منہ پھیر لینا اور حق کی طرف آنا ہی بڑا کارنامہ ہے۔

چنانچہ حضرت حرؑ کا کردار اور ان پر لکھے گئے مرثیے اس کے بہترین ترجمان ہیں۔ چنانچہ مونس کا مرثیہ:

"مجلس افروز ہے مذکور وفاداریٔ حُرؑ"

یا انیس کا مرثیہ:

"بخدا فارس میدان تہور تھا حُرؑ"

دیکھے جا سکتے ہیں۔

عام طور سے مرثیوں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ ان میں صرف رونے رُلانے کا تصور ہے۔ حزن و ملال کی فضا ہے۔ آنسوؤں کے چراغ روشن ہیں۔ اس فضا میں نہ صلابت کا امکان ہے، نہ مقاومت کا موقع ہے اور نہ لڑنے اور شکست دینے کی جراءت ہے۔ لیکن یہ سارے خیالات غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ بے شک اردو مرثیے کی پانچ سو برس کی تاریخ میں واقعات کربلا کی اثر پذیری اور اس کا اعلان کہ ہم اس معرکہ عشق و باطل میں حق کے طرفدار ہیں، مختلف انداز سے نواسہ رسولؐ کی شہادت پر اظہار رنج و غم کرنا اور مقامی عناصر کے پس منظر میں یہ ہندوستانیت کے شعور کے ساتھ واقعات کربلا کو مذہبی اقدار کے ساتھ سامنے لانا، مرثیہ نگاروں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مرثیہ میں صلابت، عزم و ہمت اور شجاعت کی وادیٔ خار دار میں اپنی آبلہ پائی سے کانٹوں کو سرخرو کرنے کا جذبہ نہیں رہا ہے۔ انیسویں صدی تک کے مرثیہ نگاروں نے بالخصوص انیس و دبیر، مونس وحید نے رجز، گھوڑے کی تعریف، تلوار کی تعریف، فنون جنگ کے اظہار، معرکہ آرائی کی تفصیلات پیش کر کے مرثیے کو صرف رونے رلانے کی حد تک محدود نہیں رکھا۔

لیکن دور حاضر میں جوش ملیح آبادی، آل رضا، جمیل مظہری، امید فاضلی، وحید اختر، یہ کچھ نام ہیں جنہوں نے مرثیہ کو باطل کے سر پر چمکتی ہوئی شمشیر بنا دیا۔ اب آج کا شاعر یہ لکھتا ہے کہ امام عالی مقام کے پیغام حق کو اس لیے کوئی نہیں روک سکتا کہ ایسی زنجیر ایجاد ہی نہیں ہوئی جو پھولوں کی خوشبو کو اسیر کر سکے اور ایسی کوئی شمشیر نہیں ہے جو بجلی کی تڑپ کو کاٹ سکے۔ جوش ملیح آبادی کے کچھ اور اشعار درج کیے جاتے ہیں:

تھیں بہتر خونچکاں تیغیں حسینی فوج کی | اور صرف اک سید سجاد کی زنجیر تھی
اتنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی | حافظے میں صرف ایک زنجیر باقی رہ گئی
ہے دنیا تیری نظیر شہادت لیے ہوئے | اب تک کھڑی ہے شمع ہدایت لیے ہوئے
نظیر اے زندگی! جلال شہِ مشرقین دے | اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسین دے

مولانا محمد علی جوہر کا بھی زبان زد خاص و عام ایک شعر ملاحظہ ہو:

قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے | اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دراصل یہ اقبال کا فیضان ہے جنہوں نے کربلا کے اس رخ کی طرف بہت پہلے اشارہ کیا تھا۔

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق | معرکہء وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق

دور حاضر کے تمام مرثیہ لکھنے والے کربلا کو عزم و عمل اور جبر کے مقابلے میں صبر کا استعارہ سمجھتے ہیں اور حق و باطل کی آویزش میں راہ حق کی طرف بڑھنے کے لیے کربلا سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

یہاں صرف دو نکات کی طرف توجہ دلانا ہے جن سے مرثیہ کی اہمیت اور مقبولیت روشن ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلا نکتہ ہے عالمی ادب

میں فطرت کا تصور مغرب میں فطرت خدا ہے (Wordsworth) اور یا پھر فطرت بے رحم ہے ۔ کچھ بھی ہوا کرے وہ بے نیاز ہے۔ Mathew Arnold لکھتا ہے :

"Men may come and men may go, but I go on forever"

لیکن مرثیوں کی دنیا میں فطرت ایسے انسانوں کی محکوم ہے جو اللہ کے منتخب بندے ہیں ۔صرف تین شعر ملاحظہ ہوں :

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی
....

دریا جو دور' پیاس میں تھا شہ کی فوج سے منہ پر طمانچے مارتا تھا ضرب موج سے
....

خولہاں تھے نخل گلشن زہرا جو آب کے شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

یہاں فطرت بے رحم نہیں ہے وہ اعلیٰ ترین انسانوں کی عظمت کا اعلان کرتی نظر آتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ :

1. دور حاضر کے کن شاعروں نے مرثیے کو باطل کے سر پر چمکتی ہوئی شمشیر بنادیا ہے؟
2. محمد علی جوہر کے مرثیے کا مشہور شعر لکھیے۔

9.7 پیکر تراشی

مرثیوں کی دنیا میں جہاں پیکر تراشی بھی ہے صورت گری بھی ہے' بلندیٔ تخیل بھی ہے اور اس کا اعلان بھی ہے کہ لفظ کا جادو بے جان اشیا کو پیکر عطا کرتا ہے اور انہیں متحرک بنادیتا ہے۔ صنائع 'خیال کو حسن عطا کرتی ہے اور وہ مذہب کلامی' تشبیہ' استعارہ' کنایہ اور' تجنیس کے تمام اقسام اور مروجہ لفظی اور معنوی صنعتیں مراثی میں ملتی ہیں جو ان کی تخلیق و تزئین میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں ۔

آخری پہلو یہ بھی قابل غور ہے کہ یہ عالمی ادب میں واحد صنف ہے جہاں موضوعات مذہب کا رنگ لیے ہوئے ہیں مگر دوسرے مذہب کے ماننے والے صنف مرثیہ سے نہ صرف یہ کہ دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ اس صنف میں طبع آزمائی بھی کرتے ہیں ۔

اور وہ لوگ جو مذہبا ' عقیدتاً مسلمان نہ تھے انہوں نے بھی مرثیے لکھے اور بڑی شان سے لکھے ۔تقریباً پانچ سو مرثیہ نگاروں میں سو مرثیہ نگار غیر مسلم ہیں ۔ان میں سیوا' کشن پرشاد شاد' الفت رائے الفت' کنور سین مضطر' مہاراجہ کلیان سنگھ' مکھن لال مکھن' راجہ بلوان سنگھ والیٔ بنارس' روپ کماری' یامنی لال جوان' چھنو لال دلگیر' اور ڈاکٹر بھتونی لال وحشی مظفر پوری کے نام نامی اہم ہیں ۔صرف کچھ مثالیں اشارۃً پیش کی جارہی ہیں ۔ ان کے مرثیوں میں بھی وہ سارے اجزا موجود ہیں جنہوں نے مرثیہ کو انفرادیت عطا کی ہے مثلاً روپ کماری کہتی ہیں :

ملا ہے پوت کب ایسا جگت میں ماؤں کو غلامی فخر کرے جن کی سورماؤں کو
خوشی سے جھیلا زمانہ کی سب بلاؤں کو پسند حق نے کیا آپ کی اداؤں کو

حضور راکب دوش نبی جبھی تو ہوئے
کئے کلام جو اعلیٰ علی جبھی تو ہوئے

منی لال جوان کا ایک شعر ملاحظہ ہو :

نظر سے آگ برستی ہے لو نکلتی ہے
ہوا بھی ساتھ ہے لیکن ادب سے چلتی ہے

والیٔ بنارس کا شعر ملاحظہ ہو:

پس است حب حسین و حسن بسینۂ من
ہمیں زمرد و لعل است در خزینۂ من

اس طرح بے شمار غیر مسلم شعرا نے مرثیے لکھے اور وہ مقبول بھی ہوئے۔ صنف مرثیہ نے جہاں فنی اعتبار سے اس پہلو کو نمایاں کیا کہ مرثیہ ناظرین بھی چاہتا تھا، سامعین بھی چاہتا تھا اور قارئین بھی چاہتا تھا۔ یہ واحد صنف تھی جسے لحن سے بھی پڑھتے تھے۔ جسے منبر سے اس طرح سے ادا کرتے تھے کہ نظروں کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا تھا اور اسے یوں بھی پڑھا جاسکتا تھا۔ یہ اس کا فنی معجزہ تھا کہ اس عظیم مہم میں ہندوستان کے دانشور طبقہ کے ہر مذہب و ملت کے افراد شریک تھے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. عالمی ادب میں مرثیے کی کیا اہمیت ہے؟
2. تین غیر مسلم مرثیہ نگاروں کے نام لکھیے۔

9.8 خلاصہ

مرثیے کا شمار نہ صرف ہماری شاعری کی مقبول اصناف میں ہوتا ہے بلکہ عالمی ادب میں بھی اس صنف کا جواب نہیں مل سکتا۔ ابتدا میں مرثیے کے لیے کوئی ہیئت مخصوص نہیں تھی، سودا نے اسے مسدس کی شکل عطا کی تو میر ضمیر نے اس کے اجزائے ترکیبی منطقی ترتیب متعین کی۔ میر و سودا کے زمانے سے لے کر آج تک دیگر ہیئتوں میں بھی مرثیے لکھے گئے اور اجزائے ترکیبی کی بھی پابندی میں تھوڑی بہت چھوٹ اختیار کی۔

مرثیے کی مقبولیت کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت مذہبی جذبات کو حاصل ہے۔ اسی جذبے کی تسکین کے لیے اعلیٰ و ارفع مرثیے لکھے گئے۔ ان مرثیوں میں مذہب کا سہارا لے کر تہذیبی، جمالیاتی، اخلاقی اور ادبی قدروں کو بھی مرثیہ میں شامل کرلیا گیا۔ مرثیوں میں رشتوں کی پاسداری میں تہذیب کے متنوع عوامل شعوری اور غیر شعوری طور پر شامل ہوگئے ہیں۔ مرثیے کو پر اثر مقبول بنانے میں زبان و بیان کی جادوگری تشبیہ و استعارے، صنائع و بدائع کے خزانے لٹا دیے گئے ہیں۔ مرثیہ نگاروں کی فہرست میں ہزاروں شاعروں کے نام آتے ہیں لیکن جو مقبولیت میر انیس اور مرزا دبیر کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہ مل سکی۔ ان شاعروں کا مشاہدہ تیز ہے، لفظوں کے انتخاب و ترتیب کا ان میں سلیقہ ہے، کلام میں فصاحت بھی ہے اور بلاغت بھی، کردار نگاری میں ان کا جواب نہیں، جذبات اور مناظر قدرت کی عکاسی میں وہ اپنے جوہر دکھاتے ہیں۔ مرثیوں کی مقبولیت کا اہم راز یہ بھی ہے کہ اس میں نفسیات انسانی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کائنات کا مطالعہ مرثیہ کو وقعت عطا کرتا ہے۔ سیرت و پیکر تراشی سے مرثیوں میں جان پڑ گئی ہے۔ مرثیہ کہنے کو ایک صنف سخن ہے مگر اس میں دیگر اصناف کی بھی جھلکیاں نظر آتی ہیں گویا وحدت میں کثرت کے جلوے نظر آتے ہیں۔

9.9 نمونۂ امتحانی سوالات

ذیل کے سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں دیجیے:

1. مرثیے کے اجزائے ترکیبی کی تفصیل بیان کیجیے۔
2. مرثیے کی جمالیاتی اور اخلاقی اقدار پر روشنی ڈالیے۔
3. مرثیے میں رشتوں کی پاسداری کا کس طرح لحاظ رکھا گیا ہے؟

ذیل کے سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں دیجیے:

1. مرثیے کی مقبولیت کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔
2. مرثیے کی مذہبی اہمیت کا جائزہ لیجیے۔
3. مرثیے کی تہذیبی اہمیت پر تبصرہ کیجیے۔

9.10 فرہنگ

عون، محمد = امام حسینؑ کے کمسن بھانجے جنہوں نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی اور شہید ہوئے۔ ان کی والدہ بی بی زینبؑ اور والد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت امام حسینؑ کے چچازاد بھائی

حُر = حُر بن یزید ریاحی شامی لشکر کے ساتھ کربلا آئے تھے لیکن امام حسینؑ سے آ ملے اور شہید ہوئے

علی اصغر = امام حسینؑ کے شیر خوار صاحبزادے جنہیں میدان کربلا میں حُرنے اپنے تبر سے شہید کیا تھا۔

فصاحت = لفظ یا محاورے یا فقرے کو اس طرح بولا جائے جس طرح اہلِ زبان بولتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ = سرورِ دو عالمؐ کے نواسے، حضرت علی اور بی بی فاطمہ کے دوسرے صاحبزادے۔

سریا = جھڑپ، مختصر جنگ (جو باقاعدہ اعلانِ جنگ کے ساتھ نہیں کی جاتی)

سید سجاد = حضرت امام زین العابدین، حضرت امام حسین کے صاحبزادے۔

ابن حسن = امام حسنؑ کے صاحبزادے حضرت قاسم جو کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت علیؑ = حضور اکرمؐ کے چچازاد بھائی، بی بی فاطمہ کے شوہر۔

حضرت علی اکبرؑ = امام حسینؑ کے صاحبزادے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

صغریٰ = حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی فاطمہ صغریٰؑ۔

سناں = نیزے کی انی، تیر کی نوک، بھالا، برچھا، نیزہ

خونچکاں = خون ٹپکتا ہوا، جس سے خون ٹپکتا ہو۔

قرنا = نفیری، سینگ سے بنا ہوا ایک بگل

تزکیۂ نفس = نفس کو پاک کرنا، نفس کی پاکیزگی۔

رِقت = گریہ، رونا، دل گدازی، دل بھر آنا۔

سکینہ = حضرت حسینؑ کی کمسن صاحبزادی۔

اسد = شیر، اسد اللہ حضرت علیؑ کا لقب۔

یزید = حضرت معاویہ کا بیٹا۔ امیر شام۔

سبیل = آب در خانہ، راستہ، تدبیر۔

تامل = رکنا، سوچ بچار کرنا، صبر کرنا

سبط پیمبر = سبط = نواسہ، پیمبر کا نواسہ

بلاغت = کلام کا مرتبۂ کمال کو پہنچنا

طعن = نیزے کی ضرب (طنز)

خوش الحانی = خوش آواز، خوش گلو

سر ہونا = فتح ہونا، کامیاب ہونا

کسریٰ = شاہانِ عجم کے ہر بادشاہ کا لقب

حفظ مراتب = مراتب کا لحاظ، پاس ادب

فضہ = بی بی فاطمہ زہرہ کی کنیز

انحراف = مخالفت کرنا، پھر جانا

عماری = ہاتھی کا ہودا، ہودج

فُرات = عراق کا ایک دریا

پسر	=	بیٹا	معرکہ	=	لڑائی' جنگ
فارس	=	شہ سوار	ناقہ	=	اونٹنی
پھریرا	=	پھریرا' علم	جلاجل	=	جھانجھ' منجیرہ
بوق	=	بگل	دہل	=	خوف' ڈر
خلف	=	وارث' نیک لڑکا	شاہ نجف	=	حضرت علی لقب
تصادم	=	ٹکراؤ	گہر آبدار	=	چمکدار موتی
نخل	=	کھجور کا درخت	عین	=	آنکھ
وداع	=	رخصت	حرب	=	لڑائی' جنگ

9.11 سفارش کردہ کتابیں

سفارش حسین — اردو مرثیہ
عقیل رضوی — مرثیہ کی سماجیات
حامد حسن قادری — تاریخِ مرثیہ گوئی
ام ہانی اشرف — اردو مرثیہ نگاری
مسیح الزماں — اردو مرثیہ کا ارتقا
علی عباس حسینی — اردو مرثیہ
شبلی نعمانی — معرکہ انیس و دبیر
جعفر رضا — دبستان عشق کی مرثیہ گوئی